حکم خدا کا تشریح اپنی

شورائیت اور جمہوریت کے تضاد کے سلسلے میں جتنا کچھ بھی لکھا گیا ہے وہ کم از کم ایک سیدھے سادھے مسلمان کو یہ حقیقت باور کرانے کے لیے کافی ہے کہ یہ دونوں نظام ایک دوسرے سے متصادم اور متضاد ہیں لیکن اسے کیا کہا جائے کہ پورے کے پورے اسلام کو اس کے کھرے پن کے ساتھ اختیار کرنے کی راہ میں وہ مسلمان بری طرح حائل ہیں جو شورائیت اور جمہوریت کو ایک ہی نظام قرار دینے پر ادھار کھائے بیٹھے ہیں اور اس سلسلے میں انھوں نے نہ صرف ضخیم کتابیں لکھ چھوڑی ہیں بلکہ آئے دن اسلام اور جمہوریت کے ملغوبہ ازم کی وکالت کے کسی بھی موقع کو ضائع کرنا گناہ سمجھتے ہیں۔ اسی پر بس نہیں کی جاتی یہ حضرات اپنے زاویہ نظر کو ثابت کرنے کے لیے تفسیر بالرائے سے گریز بھی نہیں کرتے اور یہ ان کی مجبوری ہے۔ ان حضرات کے ذکر خیر سے صرف نظر کم از کم زیر بحث موضوع سے ناانصافی ہوگی۔

بھارت کے ایک بزرگ مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی صاحب نے اسلام آباد میں منعقدہ شریعت کانفرنس میں بڑے ہی خوبصورت انداز میں اسلام اور جمہوریت پر مبنی ملغوبہ ازم کی وکالت کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ "شوریٰ کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کی رائے معلوم کی جائے اور یہی اصول ہے جو موجودہ زمانے میں پارلیمانی نظام کی بنیاد ہے اور جس کی داغ بیل اسلام نے اسی وقت ڈالی تھی جب کہ یورپ جمہوریت اور پارلیمنٹ کے مفہوم سے بھی ناآشنا تھا" اس کے بعد ان کا ارشاد ہے کہ کہ ـــ امرھم شوریٰ بینھم ـــ یعنی مسلمانوں کے معاملات اور انتظامی امور آپس کے مشورے سے انجام پاتے ہیں۔ یہ حکم عام ہے اور حکومت کے صدر نشین کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ مجلس شوریٰ کے فیصلہ دینے کے بعد اپنی اسی ذاتی رائے پر عمل کرے جو مجلس شوریٰ کے فیصلے کے خلاف ہو۔ حکومت کے امیر اور سربراہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ ارباب حل و عقد سے مشورہ لے اور اس مشورہ کی پابندی کرے"۔ مفتی صاحب نے قرآن کی ایک آیت کو حکم عام قرار دیا ہے لیکن اس حکم کے

اطلاق اور نفاذ کی تشریح قرآن سے نہیں لی بلکہ اپنے طور پر یہ فیصلہ سنا دیا ہے کہ امیر کے لیے مجلس شوریٰ کے فیصلے کی پابندی ضروری ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ "امرھم شوریٰ بینھم" حکم نہیں، مسلمانوں (انصار) کے تعامل کا ذکر ہے اور مسلمانوں کے اس عمل کی تفصیل، یعنی یہ کس طرح انجام پاتا ہے، اس آیت میں مذکور نہیں بلکہ صرف یہ کہا گیا ہے کہ جن مسلمانوں کا تعامل آپس میں مشورہ کے ذریعے امور طے کرنا ہے وہ رب کے حکم بھی مانتے ہیں، نماز بھی قائم کرتے ہیں اور جو کچھ رب انہیں دیتا ہے اسے خرچ بھی کرتے ہیں۔

قرآن نے مسلمانوں (انصار) کے جس عمل کا ذکر کیا ہے اس کی تفصیل معلوم کیے بغیر اپنے طور پر اس عمل اور اس کے طریق کار کی تشریح درست نہیں بلکہ قرآن سے ہی دریافت کرنا ہوگا کہ مشورے کا طریق کار کیا ہونا چاہیے؟ اس امر کا فیصلہ بھی قرآن نے کر دیا ہے کہ اے رسولؐ جنگ احد کے معاملے میں بھی "ان کے قصور معاف کر دو اور (خدا سے بھی) ان کے گناہوں کی مغفرت چاہو اور معاملات (صلح و جنگ) میں (بدستور سابق) ان کو شریک مشورہ کر لیا کرو پھر (مشورہ کے بعد) تمہارے دل میں ایک بات بھٹن جائے تو بے تامل اس کو کر گزرو (مگر) بھروسہ خدا ہی پر رکھنا۔ جو لوگ (خدا پر) بھروسہ رکھتے ہیں خدا ان کو دوست رکھتا ہے۔" لیکن مشورے کا یہ طریق کار قبول نہیں کیا جاتا ارشاد ہوتا ہے "امرھم شوریٰ بینھم" قرآن میں یہ الفاظ ایک مستقل دفعہ کی صورت میں موجود ہیں اور اس کے خلاف کسی حکومت کا کوئی امیر حرکت نہیں کر سکتا۔

ایک تعامل کو حکم اور مستقل دفعہ قرار دینا اور پھر اس کے نفاذ کے طریق کار کو قبول کیے بغیر اپنے طور پر کوئی فیصلہ کرنا آخر کس امر کی عکاسی کرتا ہے یہی نا کہ حکم تو قرآن سے لیا جائے اور اس کی تشریح قرآن سے نہیں بلکہ خود کی جائے تاکہ ایک خود ساختہ مفروضہ درست ثابت کیا جا سکے۔ اسی پر بس نہیں کی جاتی بلکہ مشورے کے قرآنی طریق کار والی آیت کے بارے میں فرمایا جاتا ہے کہ "اس آیت کی رو سے کسی صدرِ مملکت کو وہ اختیارات حاصل نہیں ہوتے جو آپؐ کی ذات کو مخاطب کر کے آپؐ کے ساتھ مخصوص کر دیے گئے ہیں۔" بجا فرمایا لیکن مشورے کے اس طریق کار کی تعلیم کا مقصد آخر کیا ہے۔ قرآن شورہ کے تعامل کا ذکر کرتا ہے اور اس کے طریق کار کی تشریح کیوں کرتا ہے اس مقصد کے لیے شورے کے طریق کار والی آیت کا شانِ نزول لکھنا ضروری ہے۔ سیرت ابنِ ہشام میں ہے "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینے سے نکل کر قریش کے پڑاؤ میں پہنچ کر حملہ کرنے کو مناسب نہ سمجھتے تھے (اس لیے آپؐ نے فرمایا) اگر تمہاری رائے

یہ ہو کہ ہم لوگ مدینہ میں ٹھہریں اور قریش نے جہاں پڑاؤ ڈالا ہے وہیں انھیں رہنے دیا جائے یہ بات خود ان کے لیے ٹھیک نہ ہوگی کیونکہ انھوں نے غلط پڑاؤ ڈالا ہے۔ پھر اگر وہ مدینہ میں آکر ہم پر حملہ کریں گے تو ہم یہاں سب ان سے لڑیں گے .... لیکن بعض (نے جو) ان مسلمانوں میں سے (دکھتے) جو بدر میں حصہ نہ لے سکے ..... اصرار کیا یا رسول اللہ! باہر نکل کر جنگ کرنے کا موقعہ ہمیں عنایت فرمائیں تاکہ وہ خیال نہ کریں کہ ہم میں کسی قسم کی بزدلی یا کمزوری پیدا ہوگئی ہے ...... جو لوگ باہر نکل کر دشمن سے مقابلہ کرنا چاہتے تھے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لگاتار اصرار کرتے رہے یہاں تک کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم گھر داخل ہوئے اور زرہ زیب تن کرکے باہر تشریف لائے .... اب لوگ شرمندگی محسوس کر رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ زحمت کی آخر کار انھوں نے عرض کی یا رسول اللہ! ہم نے آپ کو خواہ مخواہ تکلیف میں ڈال دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نبیؐ کے لیے کسی طرح جائز نہیں کہ ایک مرتبہ زرہ پہن لینے کے بعد بغیر جنگ کے اتار دے۔ اس آیت کے شانِ نزول کے سلسلہ میں غزوۂ احد میں پہاڑی پر مقیم پچاس تیر اندازوں کا واقعہ بھی نقل کیا جاتا ہے جن میں سے اکثر نے فرمانِ رسولؐ کے مقابلے میں قیاس کرتے ہوئے پہاڑی کو چھوڑ دیا تھا جب کہ ان کے امیر عبداللہؓ بن جبیر سمیت دس یا تیرہ صحابی پہاڑی پر موجود رہے اور اس موقف پر ڈٹے رہے کہ فتح ہو یا شکست وہ تو فرمانِ رسولؐ کے تحت اس پہاڑی سے نہیں ہلیں گے۔ سورہ آل عمران کی آیت نمبر ۱۵۹ کی روشنی میں یہی واقعہ مذکورہ آیت کا شانِ نزول ٹھہرتا ہے۔ واقعہ مدینہ منورہ میں یا مدینہ منورہ سے باہر جنگ لڑنے کا ہو یا پہاڑی چھوڑنے کا، غزوہ احد کے سلسلے میں جو کچھ ہوا اس کا بدیہی نتیجہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آئندہ مسلمانوں سے مشورہ نہ لیں یا کم ازکم ان کی رائے کو اپنی رائے پر ترجیح نہ دیں جس پر مشورے والی آیت نازل ہوئی کہ مشورہ لیتے رہیں لیکن اپنی یا دوسروں کی رائے پر عمل کرنا چاہیے۔ اس کا فیصلہ آپؐ کریں۔

مولانا احمد سعید کشف القرآن جلد ا صفحہ ۱۱۲ میں اسی آیت کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ "چونکہ آپ ہمیشہ مشورہ فرماتے تھے اس لیے حضرت حق نے فرمایا ان کی غلطی سے متاثر ہوکر مشورہ بند نہ کر دینا بلکہ بدستور مشورہ کرتے رہنا پھر آگے ایک اور ضابطہ بیان فرمایا کہ جب آپؐ ایک رائے قائم کرلیں اور پختہ ارادہ کرلیں تو خدا ہی پر بھروسہ کرکے اس کام کو کر ڈالیے" مولانا محمود الحسن نے اس آیت کی تشریح یہ کی ہے کہ "شاید آپؐ کا دل خفا ہوا ہوگا اور چاہا ہوگا کہ آئندہ ان سے مشورہ لے کر کام

نہ کیا جائے اس لیے حق تعالیٰ نے نہایت عجیب پیرایہ میں ان کی سفارش کی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ آئندہ بدستور ان سے مشورہ لیا کریں۔ مشاورت کے بعد جب ایک بات طے ہو جائے اور پختہ ارادہ کر لیا جائے تو پھر خدا پر توکل کر کے اس کو بلا پس و پیش کر گزریے ۔ خدا متوکلین کو پسند کرتا ہے اور وہ ان کے کام بنا دیتا ہے ۔" مولانا اشرف علی تھانوی بیان القرآن میں اس آیت کی تشریح کچھ اس طرح کرتے ہیں۔

"اس کے بعد (کہ ان صاحبوں سے ایسی لغزش ہوئی کہ آپ کو حق ملامت حاصل تھا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ آپ (دل سے بھی) ان کو معاف کر دیجیے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور بدستور ان سے خاص خاص باتوں میں مشورہ لیتے رہا کیجیے۔ (تاکہ اس سے اور دونا ان کا جی خوش ہو) پھر (مشورہ کے بعد) جب آپ (ایک جانب) رائے پختہ کر لیں (خواہ وہ ان کے مشورہ کے موافق ہو یا مخالف) سو خدا تعالیٰ پر اعتماد کر کے اس کام کو کر ڈالا کیجیے بے شک اللہ تعالیٰ ایسے اعتماد کرنے والوں کے ساتھ ہے"۔ اللہ تعالیٰ تو مشورہ کے بعد صرف مشورہ دینے والوں کی رائے پر عمل کرنے کی بجائے خود فیصلہ اور عزم کرنے کا حکم دیتا ہے لیکن آج ہمیں کہا جا رہا ہے، نہیں، مشورے کا جو طریق ہمارے ذہن میں ہے جو جمہوریت نے دیا ہے یا جو ہم نے "امرھم شوریٰ بینھم" سے اپنے طور پر تفسیر بالرائے کے پیش نظر اخذ کیا ہے، اس پر عمل کیا جائے! یہ بھی کہا جاتا ہے کہ عزم کا حکم تو صرف اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو تھا۔ پیغمبرانہ حیثیت کی وجہ سے آپ کے ساتھ مخصوص ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کا یہ حکم آپ کی پیغمبرانہ حیثیت کی وجہ سے صرف آپ کے ساتھ ہی مخصوص ہے تو خلفائے راشدین نے اس حکم پر عمل کیوں کیا! امام بخاریؒ نے لکھا ہے کہ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جتنے بھی امام ہوئے وہ امین اہل علم سے مباح کاموں میں مشورہ لیا کرتے تھے تاکہ جو آسان ترین صورت ہو اسے اختیار کریں۔" (بخاری باب وامرھم شوریٰ بینھم وشاورھم فی الامر) نیز اصول یہ ہے کہ حکم عام رہے گا جب تک اس کے آپ کا خاصہ ہونے کا ارشاد نہ ہو۔

ایک طرف تو کہا جاتا ہے کہ عزم کی خصوصیت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مخصوص تھی اور دوسری طرف عزم سے مراد وہ لی جاتی ہے جس کے بعد اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی کوئی خصوصیت نہیں رہتی کہ "اہل رائے کا باہمی مشورہ اور اس کے بعد شوریٰ کے فیصلے کی پیروی" فرمایئے۔ عزم سے یہی "مراد" ہے تو اس امر پر تکرار کیوں ہے کہ اس آیت کی رو سے کسی صدر حکومت کو وہ اختیارات حاصل نہیں ہو جاتے جو آپ کی ذات کو مخاطب کر کے آپ کے ساتھ مخصوص کر دیے گئے ہوں" عزم کی اس "مراد" کی "نامرادی" کا تو یہ عالم ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی کوئی اختیار نہیں رہتا بلکہ وہ بھی عزم کی اس "مراد" کے تحت شوریٰ کے فیصلے کی پیروی

کے پابند ہیں اور اس صورت میں وامرھم شوریٰ بینھم کے بعد شاورھم فی الامر کی ضرورت ہی کیا رہ جاتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ عزم کی تشریح میں بھی اپنے خود ساختہ مفروضہ کو ثابت کرنے کی کوشش مقصود ہے ورنہ حضرت علیؓ کی روایت "مشاورۃ اہل الرائے ثم اتباعھم" سے یہ مراد نہیں لی جا سکتی بلکہ اس کا درست مطلب یہ ہے کہ اہل رائے سے مشورہ لیا جائے اور اس کی روشنی میں کوئی ایک فیصلہ کر کے اس پر عمل پیرا ہونے کا عزم کیا جائے کیونکہ مجلس شوریٰ اور اہل الرائے فیصلہ نہیں مشورہ دیا کرتے تھے اور فیصلہ اپنی رائے اور دوسرے کے مشورہ کو سامنے رکھ کر کیا جاتا ہے۔ مولانا داؤد خان راغب رحمانی تفسیر ابن کثیر جلد سوم کے ص۱۹۷ پر اس روایت کا ترجمہ کچھ اس طرح کرتے ہیں کہ "اللہ کے رسول سے پوچھا گیا عزم کیا ہے؟ فرمایا ارباب شوریٰ سے مشورہ لے کر اسے عملی جامہ پہنانا۔" مفتی عتیق الرحمان عثمانی اور مولانا داؤد خان راغب رحمانی کے ترجمہ میں وہی فرق ہے جو تفسیر بالرائے اور درست مفہوم میں ہوا کرتا ہے جو کہ "فاذا عزمت فتوکل علی اللہ" کی روشنی میں اخذ کیا گیا ہے۔

مفتی عتیق الرحمان عثمانی نے عزم کے سلسلہ میں ایک عجیب نکتہ بھی ارشاد فرمایا ہے جسے ان کے مطابق علامہ جصاص نے "احکام القرآن" میں واضح طور پر لکھا ہے کہ "قرآن میں عزم کا ذکر شوریٰ کے بعد آیا ہے اور یہ اس کی دلیل ہے کہ فیصلہ اور عزم وہی معتبر ہے جو شوریٰ کے فیصلہ کا نتیجہ ہو اور شوریٰ سے صادر ہوا ہو۔"

اب مفتی صاحب سے تکرار اور اصرار کے بعد بھلا کون کہے کہ عزم سے پہلے مشورہ کسی فیصلے پر پہنچنے کے لیے ہوتا ہے اور اہل حل وعقد یا مجلس شوریٰ کے ارکان مشورہ دیا کرتے ہیں فیصلہ نہیں کیا کرتے۔ اگر شوریٰ کا مشورہ ہی فیصلہ ہے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مشورہ کے بعد فیصلہ اور اس پر عمل پیرا ہونے کا عزم کرنے کا حکم کیوں دیا ہے۔ تفسیر بالرائے اور تفسیر ماثور کے فرق کا ذکر کرتے ہوئے علامہ وحید الزمان کی "فاذا عزمت فتوکل علی اللہ" کی تشریح نقل کی جاتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ "بعض لوگ کیا کرتے ہیں، مشورہ ہی لیتے لیتے وہمی مزاج ہو جاتے ہیں۔ ایسے آدمیوں سے کوئی کام پورا نہیں ہوتا تو فرمایا جب مشورہ کے بعد ایک کام ٹھہرا لے اب کوئی وہم نہ کر اور اللہ کے بھروسے پر گزر یہی قوتِ فیصلہ ہے۔" (بخاری باب امرھم شوریٰ بینھم وشاورھم فی الامر، حاشیہ ترجمہ) مفتی صاحب یہ بھی فرماتے ہیں کہ حافظ ابن کثیر

نے بھی یہی لکھا ہے"۔ جو ان کے مطابق علامہ جصاص نے لکھا ہے۔ اب اس کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ تفسیر ابن کثیر میں اس آیت کی تشریح پڑھ کر خود ہی فیصلہ کر لیا جائے کہ مفتی صاحب کا امام ابن کثیر کے حوالے سے اپنا نکتہ نظر ثابت کرنا انصاف کی کون سی معراج ہے؟

اس امر میں کوئی شک نہیں کہ علامہ جصاص نے اپنی کتاب "احکام القرآن" کے صفحہ ۴۹ پر جو کچھ لکھا ہے اس سے تو یہی واضح ہے کہ "ان کے نزدیک صحابہ سے مشورہ لیتے رہنے کا حکم محض رسمی اور ظاہرداری نہیں تھا بلکہ اس لیے تھا کہ مشورہ لینے کے بعد ان کے مشوروں پر عمل بھی کیا جائے"۔ (اسلامی ریاست، مولانا امین احسن اصلاحی) لیکن علامہ جصاص کی اس رائے کی تردید کے لیے مشورے کا وہی طریق کار کافی ہے جو انھوں نے اپنی کتاب کے اسی صفحہ ۴۹ میں لکھا ہے کہ "جب صحابہ کرام اپنی آرا پیش کرتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ ہو کر غور کرتے اور سوچتے تھے اور (اس کے بعد) جس نتیجے پر آپ کو آپ کا اجتہاد پہنچاتا تھا اس پر عمل فرماتے"۔ یعنی فیصلہ آپ ہی کرتے تھے۔ علامہ جصاص اس کتاب کے صفحہ ۵۰ پر لکھتے ہیں کہ "آپ صحابہ کے ہمراہ مل کر سوچ بچار کرتے تھے اور جس امر کے سلسلے میں آپ کو ظن غالب حاصل ہو جاتا اس پر عمل کرتے"۔

امیر شوریٰ کا پابند ہے، کے سلسلے میں سنن دارمی کی یہ روایت بھی بیان کی جاتی ہے کہ "ابوسلمہ نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ اگر کوئی ایسا معاملہ پیش آن پڑے جس کا ذکر نہ تو کہیں قرآن میں ہو اور نہ سنت میں تو ایسی صورت میں کیا کیا جائے؟ آپ نے فرمایا اس معاملہ میں مسلمانوں کے صالح لوگ غور کر کے اس کا فیصلہ کریں گے"۔ یہ روایت تو شورائی نظام کی ایک شق کو ظاہر کرتی ہے کہ مسلمانوں کے امور صالح لوگوں کے مشورے سے طے ہوں گے یعنی یہ "امرھم شوریٰ بینھم" کی تشریح ہے جبکہ "شاورھم فی الامر" کی تشریح وہ روایت کرتی ہے جو مولانا امین احسن اصلاحی اپنی کتاب "اسلامی ریاست" میں مذکورہ بالا روایت کے فوراً بعد لائے ہیں کہ حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اگر میرے سامنے کوئی ایسا مسئلہ پیش آ جائے جس کا ذکر نہ قرآن میں ہو نہ سنت میں تو اس معاملے میں آپ مجھے کیا روش اختیار کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اس کو قانون اسلامی میں بصیرت رکھنے والوں اور صالحین کے مشورے سے طے کرو اور اس میں تنہا اپنی رائے سے کوئی فیصلہ نہ کرو (الطبرانی فی الاوسط) خط کشیدہ فقرہ دوبارہ پڑھیے جو آج بھی درس دے رہا ہے کہ فیصلہ اسے ہی کرنا ہوگا جو مشورہ لے۔ "فاذا عزمت فتوکل علی اللہ" ایسی ہدایت خداوندی "اور "اس امر کو — مشورہ سے طے کرو" ایسے

ارشادِ نبویؐ کے حوالے سے ہی تو ہم کہتے ہیں کہ مشورہ لو مگر فیصلہ خود کرو کہ اپنی رائے پر عمل کرنا ہے یا دوسرے کے مشورہ پر۔

مولانا امین احسن اصلاحی نے حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے دورِ خلافت کے مشورے کے طریقِ کار کا بھی تذکرہ کیا ہے لیکن اس سے وہ جو کچھ ثابت کرنا چاہتے ہیں، ثابت نہیں ہوتا بلکہ جہاں شوریٰ کی پابندی ثابت کرنا چاہتے ہیں وہاں اس کے شروع میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بارے میں لکھتے ہیں: "خلیفہ بننے کے بعد انھوں نے تمام معاملات کا فیصلہ، جن کے بارے میں ان کو کتاب وسنت سے کوئی واضح ہدایت نہیں ملی ان لوگوں کے مشورے سے کیا جو جمہور مسلمین کے معتمد لیڈر تھے" یعنی ابوبکر صدیقؓ فیصلہ کن حیثیت کے حامل تھے نہ کہ صرف شوریٰ کے پابند تھے۔ مولانا اصلاحی تو شاہ ولی اللہ کی تصنیف ازالۃ الخفا کا یہ حوالہ بھی درج کر جاتے ہیں کہ "اس معاملے میں تحقیق یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ تک فقہی اختلافات برپا نہیں ہونے پائے تھے جب کوئی اختلافی مسئلہ پیدا ہوتا تو لوگ خلیفہ کی طرف رجوع کرتے اور خلیفہ مشورہ کرنے کے بعد ایک رائے قائم کرتا اور وہی رائے اجتماعی فیصلے کی حیثیت اختیار کر لیتی۔"

وزیر اعظم نہیں امیر، امیر کے امیر نہیں مشیر

اصل مسئلہ یہ ہے کہ مفتی عتیق الرحمان عثمانی اپنے مقالے کے شروع میں ہی شوریٰ کو پارلیمانی نظام کے مترادف قرار دے بیٹھے ہیں۔ اس لیے وہ امیر کو وزیر اعظم ثابت کرنا چاہتے ہیں جو پارلیمنٹ کے فیصلوں کا پابند ہوتا ہے اور شوریٰ کو پارلیمنٹ۔ جو مشورہ نہیں دیتی بلکہ فیصلہ کرتی ہے اس لیے انھوں نے تان یہاں توڑی ہے کہ "اگر امیر یا امام شوریٰ کے فیصلہ کو نظر انداز کر دیا کرے گا اور ذاتی و شخصی رائے پر عمل کرتا رہے گا تو یہ بات مجلس شوریٰ کے لیے ازالۂ حیثیت عرفی کے مترادف ہوگی اور ایسے امیر اور ڈکٹیٹر میں کیا فرق رہ جائے گا" حالانکہ سیدھی سی بات ہے کہ مسلمانوں کا امیر اپنی رائے کو منوانے کے لیے اصرار نہیں کرتا بلکہ وہ تو حضرت ابوبکر صدیقؓ کی طرح مشورے طلب کرنے پر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی فیصلہ سن کر اسی بات پر اللہ کا شکر ادا کرتا ہے کہ امت کے اندر ایسے افراد موجود ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم محفوظ کیے ہوئے ہیں۔" (سنن دارمی بحوالہ اسلامی ریاست)